بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیع عینہ کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل ایک قسم کا کاروبار رواج پذیر ہے اور وہ یہ ہے کہ نادار شخص مالدار شخص کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ مالدار شخص ایک لاکھ نقد کے بجائے یا تو خود اپنے پاس سے کوئی چیز جس کی قیمت ایک لاکھ کی ہوتی ہے یا بازار سے خرید کر وہی ایک لاکھ کی چیز ڈیڑھ لاکھ کے عوض دے دیتا ہے اور ایک سال یا کم وبیش مدت بھی مقرر کرتا ہے اور وہ رقم اس شخص نے یا تو قسطوار ادا کرنی ہوتی ہے یا پھر یک مشت۔ بہرحال مدت متعین ہوتی ہے، آگے وہ شخص ڈیڑھ لاکھ ادھار میں خریدی ہوئی چیز ایک لاکھ نقد میں فروخت کرکے اپنی ضرورت پوری کرتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس قسم کا لین دین شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں، جبکہ لوگ آج کل مجبوری کی صورت کے علاوہ بھی اس طرح کا معاملہ کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک فتوی بھی ارسالِ خدمت ہے جس میں مذکورہ صورت کے عدم جواز کا فتوی دیا گیا ہے۔ آپ اس فتوی کے بارے میں بھی وضاحت فرمادیں کہ یہ فتوی درست ہے یا نہیں۔ اصل جواب کے ساتھ ساتھ بیع عینہ کی تعریف وحکم بھی تفصیل سے بیان کردیجیے گا۔

مستفتی: حافظ امیر نواز

الجواب باسم ملہم الصواب

سب سے پہلے بیع عینہ کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم ذکر کیا جائے گا پھر سوال میں ذکر کردہ صورت کا حکم اور آخر میں مسلکہ فتوی کے تسامح کی وضاحت کی جائے گی۔

بیع عینہ کی فقہاء نے کئی صورتیں ذکر کی ہیں اور بعض صورتیں معمولی فرق کے علاوہ ایک جیسی ہیں، اس لیے ذیل میں چار بنیادی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں:

Scanned by CamScanner

پہلی صورت:

ایک شخص کو قرض کی ضرورت ہے اور کوئی قرض کے طور پر پیسے دینے کو تیار نہیں، چنانچہ وہ ایک دوسرے شخص کے پاس جاتا ہے اور اس سے دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں ایک مقررہ مدت تک خریدتا ہے۔ خریدنے کے بعد وہ ایک تیسرے شخص کے ہاتھ دس روپے میں فروخت کرتا ہے۔ پھر پہلا شخص جس نے پندرہ روپے میں کپڑا فروخت کیا تھا وہ اس تیسرے شخص سے وہی کپڑا دس روپے میں خریدتا ہے اور دس روپے حوالے کر دیتا ہے اور اس طرح یہ شخص وہ دس روپے اس حاجت مند کو دے دیتا ہے جس سے کپڑا خریدا تھا۔ چنانچہ اس طرح کپڑے والے کے پاس اس کا کپڑا جوں کا توں رہتا ہے اور پانچ روپے کا اضافہ بھی مل جاتا ہے۔ اس صورت میں کپڑے کا واپس اپنے مالک کی طرف دوبارہ لوٹنا اتفاقی نہیں بلکہ ایک تیسرے شخص کو درمیان میں لا کر قصداً ایسا کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت:

دوسری صورت یہ ہے کہ کپڑے کا مالک حاجت مند کو پہلے پندرہ روپے قرض دے دیتا ہے، پھر مقروض ان پندرہ روپے کے عوض نقد اس سے کپڑا خریدتا ہے جس کی قیمت دس روپے ہے اور پھر وہ کپڑا لے کر بازار میں دس روپے کے بدلے فروخت کرتا ہے اور ان دس روپے سے اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔ چنانچہ مقرض کی ملک سے صرف دس روپے کا کپڑا نکل جاتا ہے اور قرض خواہ کے ذمہ اس کے پندرہ روپے بن جاتے ہیں۔

تیسری صورت:

تیسری صورت یہ ہے کہ قرض خواہ دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں ایک مقررہ مدت تک خریدتا ہے اور بازار میں کپڑا لے جا کر دس روپے میں نقد کسی کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اس صورت میں کپڑا پہلے شخص کے پاس واپس نہیں لوٹتا۔

Scanned by CamScanner

چوتھی صورت:

چوتھی صورت یہ ہے کہ قرض خواہ دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں خرید کر بازار میں ایک تیسرے شخص کے ہاتھ نقد دس روپے میں فروخت کرتا ہے۔ پھر کسی وقت اس تیسرے شخص کا اتفاقی طور پر پہلے شخص سے معاملہ پیش آتا ہے اور وہی کپڑا کسی بھی قیمت پر جس پر وہ دونوں رضامند ہو فروخت کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں بھی کپڑا پہلے شخص کی طرف واپس لوٹ آیا لیکن یہ لوٹنا قصد و ارادے سے نہیں اور نہ ہی کسی سابقہ افہام و تفہیم یا ڈیلینگ کے نتیجے میں ہے۔

بیع عینہ کا حکم:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے اور اس طرح کا معاملہ کرنے والا ماجور ہو گا اور بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ معاملہ کیا ہے، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ بیع میرے دل پر پہاڑوں سے زیادہ گراں اور بھاری ہے، یہ معاملہ مذموم ہے سود خوروں نے اسے گھڑا ہے۔ بظاہر یہ دونوں اقوال بالکل متعارض ہیں لیکن محقق ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے ایسی تحقیق پیش کی ہے جس سے دونوں اقوال کا مصداق الگ معلوم ہوتا ہے اور تعارض رفع ہو جاتا ہے۔
ابن الہمام رحمہ اللہ تعالی کی اس تحقیق پر فقہاء حنفیہ نے اعتماد کیا ہے جیسا کہ خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالی نے اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالی کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ بیع عینہ کی ایسی صورت جس میں وہ چیز جو دینے والے نے اپنی ملکیت سے خارج کی اس چیز کا کل یا بعض اگر اس کی طرف لوٹے تو یہ صورت مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے اور اگر عود نہ پایا جائے تو جائز ہے۔

مذکورہ بالا پہلی صورت میں چونکہ کل کپڑا اس کی طرف لوٹتا ہے اس لیے یہ صورت ناجائز ہے۔ دوسری صورت میں در حقیقت اس نے اپنی ملکیت سے دس روپے کا کپڑا دیا تھا(اس لیے کہ جو پندرہ روپے اس نے قرض دیے وہ تو واپس موقع پر اس کو مل گئے) اور جب قرض خواہ اس کو پندرہ روپے ادا کرے گا تو دس روپے تو کپڑے کے مقابلے میں ہونگے اور مزید پانچ روپے کا اس کی طرف لوٹنا ایسا ہے گویا کہ بعض کپڑا اس کے پاس لوٹ آیا۔ تیسری صورت میں چونکہ عود نہیں پایا جاتا اس لیے بلاشبہ جائز

Scanned by CamScanner

ہے۔ چوتھی صورت میں اگرچہ چیز واپس پہلے بائع کی طرف لوٹتی ہے لیکن یہ لوٹنا اتفاقی ہے اور ابن الہمام رحمہ اللہ تعالی نے عود کی جو مثال ذکر کی ہیں اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عود اتفاقی نہیں بلکہ تیسرے شخص کو درمیان میں اس لیے لایا جاتا ہے تاکہ شراء ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن سے بچا جائے۔ نیز خود علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے بیع فاسد کے باب میں تصریح کی ہے کہ اگر خریدنے کے بعد کسی تیسرے شخص کو بیچ دے یا ہبہ کردے اور وہ پھر پہلے شخص کو بیچ دے تو یہ جائز ہے۔

نیز شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ نے فقہ البیوع میں بیع عینہ کی بحث میں لفظ مواطاۃ سے اس فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے سوال میں ذکر کردہ صورت کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ وہ تیسری صورت میں داخل ہے، اس لیے کہ مذکورہ صورت میں مبیع واپس پہلے شخص کی طرف نہیں لوٹایا گیا، لہذا یہ صورت جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ محتاج کو قرض دے کر اجر و ثواب حاصل کرے۔

منسلکہ فتوی کے تسامح کی وضاحت:

جیسا کہ علامہ کمال الدین ابن الہمام رحمہ اللہ تعالی کی تحقیق میں اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حدیث اور امام محمد رحمہ اللہ تعالی اس بیع کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ جس میں مبیع واپس بائع اول کی طرف لوٹتی ہو اور یہ لوٹنا اتفاقی نہ ہو بلکہ آپس کے تفاہم اور قصد و ارادے سے ہو، لیکن اگر مبیع اول شخص کے پاس نہ لوٹے یا اتفاقی طور پر لوٹے کہ خریدار نے اس چیز کو بازار میں ایک تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور اس نے اتفاقی طور پر اول شخص کے ہاتھ فروخت کیا بغیر کسی سابقہ ڈیلینگ کے، تو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ لہذا منسلکہ فتوی میں مفتی صاحب کا مطلقا عدم جواز کا قول اور مذکورہ صورت کو سود کا بدترین حیلہ قرار دینا تسامح ہے، جس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

اولاً:

فتوی دینے کے لیے صرف معدن الحقائق شرح اردو کنز الدقائق پر اکتفاء کیا گیا!

Scanned by CamScanner

ثانیاً:

معدن الحقائق کی بھی پوری عبارت نہیں دیکھی گئی، حالانکہ معدن الحقائق کی ذکر کردہ عبارت کے چند سطور بعد یہ لکھا ہے کہ " محقق کمال الدین نے جو تحقیق پیش کی ہے اس سے دونوں قولوں میں توفیق ممکن ہے، من شاء فلیراجع : ص89۔ من شاء فلیراجع کہنے سے شاید ایک شارح کا ذمہ تو فارغ ہو جاتا ہے لیکن ایک مفتی کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا، بلکہ مفتی کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ وہ فتوی دینے سے پہلے اس مسئلے کے ہر پہلو کی پوری تحقیق کرے پھر اس کے بعد فتوی دے۔ اس لیے مفتی صاحب کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس تحقیق کو دیکھنے کے بعد فتوی دیتے۔ علامہ ابن الھمام کی تحقیق اتنی عمدہ ہے کہ اس کو تقریبا تمام فقہاء نے لیا ہے یہاں تک کہ عصر حاضر کے محقق حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس تحقیق کے بارے مین فرماتے ہیں: ہذا وجیہ جدا(فقہ البیوع: 1/555)

ثالثاً:

مفتی صاحب نے اپنے فتوی میں جو تحریر فرمایاہے کہ " اگر چہ بعض علماء نے جواز کا فتوی دیا ہے لیکن یہ فتوی اضطراری حالت میں ہے جیسے ایک شخص سور کا گوشت کھائے تو زندگی بچ سکتی ہے اس کے لیے جائز ہے کہ اتنی حد تک کھائے کہ زندگی بچ جائے ورنہ یہ گوشت حرام ہے"

مذکورہ عبارت میں جواز کے فتوی کو حالتِ اضطراری پر محمول کرنا اور اس کو سور کے گوشت سے مشابہ قرار دینا توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہے، کیونکہ فقہاء کرام میں سے کسی نے جواز کے قول کو حالتِ اضطراری پر محمول نہیں کیا بلکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ " ماجور من عمل بہا " (الشامیہ:5/273، ط: سعید) اور معدن الحقائق وشامیہ وغیرہ مین ذکر ہے کہ بہت سے صحابہ نے ایسا کیاہے(معدن، ص:89)اگر جواز کا فتوی حالت اضطراری میں ہوتا اور یہ معاملہ سور کے گوشت کی طرح حرام ہوتا تو کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ معاملہ کرتے؟ حاشا وکلا اور کیا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالی اس طرح کا معاملہ کرنے والے کو اجر وثواب ملنے کا فرماتے؟

قال العلامة ابن الهمام رحمه الله تعالى: فأمر الكفيل (الأصيل أن يتعين عليه حريرا) أي أن يشتري له حريرا بطريق العينة وهو أن يشتري له حريرا بثمن هو أكثر من قيمته ليبيعه بأقل من ذلك الثمن لغير

Scanned by CamScanner

البائع، ثم يشتريه البائع من ذلك الغير بالأقل الذي اشتراه به ويدفع ذلك الأقل إلى بائعه، فيدفعه بائعه إلى المشتري المديون، فيسلم الثوب للبائع كما كان ويستفيد الربح على ذلك الأقل. **وإنما وسطا الثالث تحرزا عن شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن** .... ومن صور العينة أن يقرضه مثلا خمسة عشر ثم يبيعه ثوبا يساوي عشرة بخمسة عشر ويأخذ الخمسة عشر القرض منه فلم يخرج منه إلا عشرة ويثبت له خمسة عشر.

ومنها أن يبيع متاعه بألفين من المستقرض إلى أجل ثم يبعث متوسطا يشتريه لنفسه بألف حالة ويقبضه ثم يبيعه من البائع الأول بألف ثم يحيل المتوسط بائعه على البائع الأول بالثمن الذي عليه وهو ألف حالة فيدفعها إلى المستقرض ويأخذ منه ألفين عند الحلول.

قالوا: وهذا البيع مكروه لقوله صلى الله عليه وسلم {إذا تبايعتم بالعينة وتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهر عليكم عدوكم} والمراد باتباع أذناب البقر الحرث للزراعة لأنهم حينئذ يتركون الجهاد وتألف النفس الجبن.

وقال أبو يوسف: لا يكره هذا البيع لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوا على ذلك ولم يعدوه من الربا، حتى لو باع كاغدة بألف يجوز ولا يكره. وقال محمد رحمه الله: هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا، وقد ذمهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال {إذا تبايعتم بالعينة واتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهر عليكم عدوكم} أي اشتغلتم بالحرث عن الجهاد وفي رواية {سلط عليكم شراركم فيدعو خياركم فلا يستجاب لكم} وقيل: إياك والعينة فإنها لعينة..... **ثم الذي يقع في قلبي أن ما يخرجه الدافع إن فعلت صورة يعود فيها إليه هو أو بعضه كعود الثوب أو الحرير في الصورة الأولى، وكعود العشرة في صورة إقراض الخمسة عشر فمكروه، وإلا فلا كراهة إلا خلاف الأولى** على بعض الاحتمالات كأن يحتاج المديون فيأبى المسئول أن يقرض بل أن يبيع ما يساوي عشرة بخمسة عشر إلى أجل فيشتريه المديون ويبيعه في السوق بعشرة حالة، ولا بأس في هذا فإن الأجل قابله قسط من الثمن والقرض غير واجب عليه دائما بل هو مندوب، فإن تركه بمجرد رغبة عنه إلى زيادة الدنيا فمكروه أو لعارض يعذر به فلا، وإنما يعرف ذلك في خصوصيات المواد وما لم ترجع إليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينة؛ لأنه من العين المسترجعة لا العين مطلقا وإلا فكل بيع بيع العينة.

(فتح القدير، كتاب الكفالة: 219/16)

Scanned by CamScanner

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: قال الأصيل للكفيل اشتر من الناس نوعا من الأقمشة، ثم بعه فما ربحه البائع منك وخسرته أنت، فعلي. فيأتي إلى تاجر فيطلب منه القرض ويطلب التاجر منه الربح ويخاف من الربا فيبيعه التاجر ثوبا يساوي عشرة مثلا بخمسة عشر نسيئة، فيبيعه هو في السوق بعشرة فيحصل له العشرة ويجب عليه للبائع خمسة عشر إلى أجل، أو يقرضه خمسة عشر درهما ثم يبيعه المقرض ثوبا يساوي عشرة بخمسة عشرة، فيأخذ الدراهم التي أقرضه على أنها ثمن الثوب فيبقى عليه الخمسة عشر قرضا درر.

ومن صورها أن يعود الثوب إليه كما إذا اشتراه التاجر في الصورة الأولى من المشتري الثاني ودفع الثمن إليه ليدفعه إلى المشتري الأول. **وإنما لم يشتره من المشتري الأول تحرزا عن شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن** .... ثم قال في الفتح ما حاصله: إن الذي يقع في قلبي أنه إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه أو بعضه كعود الثوب إليه في الصورة المارة وكعود الخمسة في صورة إقراض الخمسة عشر فيكره يعني تحريما، فإن لم يعد كما إذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه بل خلاف الأولى، فإن الأجل قابله قسط من الثمن، والقرض غير واجب عليه دائما بل هو مندوب وما لم ترجع إليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينة؛ لأنه من العين المسترجعة لا العين مطلقا وإلا فكل بيع بيع العينة اهـ، وأقره في البحر والنهر والشرنبلالية وهو ظاهر، وجعله السيد أبو السعود محمل قول أبي يوسف، وحمل قول محمد والحديث على صورة العود. (رد المحتار على الدر المختار: 325/5، المطبع: دار الفكر)

قال العلامة ابن الهمام رحمه الله تعالى: ولو باعه المشتري من رجل أو وهبه ثم اشتراه البائع من ذلك الرجل يجوز لاختلاف الأسباب بلا شبهة، وبه تختلف المسببات، وبقولنا قال مالك وأحمد.

(فتح القدير، باب البيع الفاسد: 90/15)

قال الشيخ المفتى محمد تقى العثمانى حفظه الله تعالى: وقد صدر بذلك قرار من مجمع الفقهى الاسلامى الدولى وهذا نصه:

التورق فى اصطلاح الفقهاء: هو شراء شخص (المستورق) سلعة بثمن مؤجل من اجل ان يبيعها نقدا بثمن اقل غالبا الى غير من اشتريت منه بقصد الحصول على النقد. و هذا التورق جائز شرعا شرط ان يكون مستوفيا لشروط البيع المقررة شرعا.

Scanned by CamScanner

(2) التورق المنظم فی الاصطلاح المعاصر: هو شراء المستورق سلعة من الاسواق المحلية او الدولية او ما شابهها بثمن مؤجل، يتولى البائع (الممول) ترتيب بيعها، اما بنفسه او بتوكيل غيره، او بتواطؤ المستورق مع البائع على ذلك وذلك بثمن حال اقل غالبا.

(3) التورق العكسی: هو صورة التورق المنظم نفسها مع كون المستورق هو المؤسسة و الممول هو العميل۔

(4) لا يجوز التورقان (للنظم و العكسی) و ذلك لان فيهما تواطؤا بين للمول و للمستورق صراحة او ضمنا او عرفا، تحايلا لتحصيل النقد الحاضر باكثر منه فی الذمة وهو ربا. (فقه البیوع: 556/1)

واللہ سبحانہ و تعالی اعلم

رفقاء دار الافتاء فاروقیہ نزد صدر تھانہ

ڈیرہ اسماعیل خان

تاریخ: 18 جنوری 2019

Scanned by CamScanner